سُورَةُ عَبَسَ

عربی متن — با محاورۃ اُردو ترجمہ و تفسیر

اِفادات

الحافِظ علامہ نوُرالدین

مدیر

عَبدالمنان عُمر – امتہ الرحمٰن عُمر

سُورَةُ عَبَسَ - ﴿۸۰﴾ - مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کا نام لے کر جو بے حد رحمت والا، بار بار رحم کرنے والا ہے
(میں سورۃ عَبَسَ پڑھنا شروع کرتا ہوں)

خلاصہ مضمون: یہ سورۃ ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اس سورۃ میں بتایا ہے کہ اس قرآن کی بدولت کمزور اور پستیوں میں گھرے ہوئے لوگ بام عروج پر پہنچ جائیں گے اور یہ کہ غریبوں کے جذبات واحساسات کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ دولت ہی عظمت کا ذریعہ نہیں بلکہ روحانی اور اخلاقی اقدار کا بھی ایک مقام ہے۔ پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ نکتہ نواز بھی ہے اور نکتہ بیں بھی۔ بعض دفعہ انسان غلطی سے کسی عظیم الشان بات کو خفیف اور معمولی کہہ بیٹھتا ہے اور کبھی کسی خفیف بات کو عظیم الشان، کسی مفید بات کو مضر اور مضر کو مفید۔ یہ درست طریق نہیں۔ اس میں اس طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ بعض کام ایسے بھی ہوتے ہیں کہ عوام کے لیے نیکیاں شمار ہوں گی لیکن بزرگوں کے لیے وہ بھی کمزوریوں میں داخل ہیں۔اس سورۃ کی ابتدائی آیتوں کے شان نزول کے متعلق ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے۔اس سے پہلے اس امر کو یاد رکھنا چاہیے کہ شانِ نزول سے ہمیشہ یہ مراد نہیں ہوتا کہ ان آیات سے وہی امر مراد ہے جو شانِ نزول کے تحت بیان کیا جاتا ہے، بلکہ اصل یہ ہے کہ وحی الٰہی کے نزول کے کچھ اسباب ہوتے ہیں اور بعض مطالب بھی حاصل ہوتے ہیں۔ ان میں سے اس واقعہ پر بھی وہ آیات چسپاں ہوتی ہیں، ورنہ اگر کسی ایک واقعہ کو مخصوص کر لیں تو پھر قرآن مجید کی عظمت جو اس کے ابدی اور عالمگیر اور عمومی ہونے میں ہے کم ہو جاتی ہے۔

اس سورۃ کی ابتدائی آیات کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ ایک مجمع قریش سے جس میں چند مشرک رؤسا وغیرہ تھے گفتگو فرما رہے تھے اور آپ اس امر کے بدل خواہش مند تھے کہ یہ لوگ ہدایت پا جاویں، جیسا کہ قرآن مجید میں ایک موقعہ پر فرمایا: لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (الشعراء، ۲۶:۳) کیا تم اپنے آپ کو معرض ہلاکت میں ڈال دو گے اس خیال و فکر سے کہ یہ مومن ہو جائیں۔ آپ کے دل میں از حد تڑپ تھی کہ یہ لوگ ہدایت پا جائیں۔ اسی اثنا میں عبداللہ بن شُرَیح ابن اُمّ مکتومؓ جو نابینا تھے اور حضرت خدیجہؓ کے ماموں زاد بھائی بھی تیزی سے آئے اور آنحضرت ﷺ سے کوئی دینی مسئلہ پوچھا۔ چونکہ وہ نابینا تھے انہیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ یہاں کن لوگوں کو آنحضرت ﷺ خطاب کر رہے ہیں اور آدابِ رسول کے موافق انہیں کیا طرز اختیار کرنا چاہیے، وفورِ شوق اور اخلاص سے انہوں نے آنحضرت ﷺ کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ آنحضرت ﷺ کو یہ قطع کلام اور ابن امّ مکتومؓ کا یہ فعل پسند نہ آیا اور اس کے آثار آپ کے چہرے پر ظاہر ہوئے اور کافروں کی طرف منہ کر کے ان سے بات کرنے لگے۔ آپ کے اس فعل کے متعلق یہ آیات ہیں۔

صحیح روایت میں ہے کہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ابن اُمّ مکتومؓ کی بڑی دلداری کی اور اپنی چادر بچھا کر انہیں بٹھایا اور فرمایا ان کی وجہ سے مجھ پر عتاب الٰہی ہوا۔ یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کی صداقت اور قرآن کریم کے الٰہی کلام ہونے کا زبردست ثبوت ہے۔ اگر یہ کلام الٰہی نہ ہوتا اور آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے فرستادہ اور سچے نبی نہ ہوتے، تو یہ واقعہ قرآن میں درج نہ ہوتا جو گویا عتاب کے رنگ کا تھا اور آنحضرت ﷺ اگر اللہ تعالیٰ کی کتاب اور وحی پر ایمان نہ رکھتے تو اپنے اس فعل کی تلافی نہ فرماتے۔ یہ ایک باریک بات ہے کہ آنحضرت ﷺ کا اپنی رسالت پر خود ایمان لانا بھی ایک زبردست دلیل رسالت محمدیہؐ

کے حق ہونے کی ہے۔ قرآن مجید چونکہ اپنے اندر مستقل صداقتیں رکھتا ہے اس لیے ان آیات سے جو سبق ہمیں ملتا ہے وہ یہ ہے:

اول: دین میں اخلاص اور عملی رنگ کا پیدا ہونا کسی رنگ و نسب پر موقوف نہیں۔ اس لیے ایسے معاملات میں ایک مبلغ اور واعظ کو کبھی یہ خصوصیت اختیار نہیں کرنی چاہیے کہ وہ طبقہ امراء و اغنیا کی وجہ سے طبقہ ضعفاء و غربا کو چھوڑ دے اور ان کی طرف توجہ نہ کرے بلکہ ضعفا اور غرباء زیادہ حق رکھتے ہیں کہ ان کی باتوں کی قدر کی جائے اور انہیں محبت و اخلاص سے دیکھا جائے۔ ان کی بات کو ہرگز فوراً رد کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ وہ نہایت نازک دل رکھنے والی قوم ہے۔

دوسری بات ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ بے پروائی کریں ان کے لیے تبلیغ اور اتمام حجت کافی ہے۔ ان کے پیچھے پڑنا ضروری نہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ نبی کا کام کسی کو ہدایت یاب کرنا نہیں۔ یہ خدائی فعل ہے اور اسی کو سزاوار ہے۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ﴿۱﴾

أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمٰى ﴿۲﴾

۱۔ تیوری چڑھائی اور بے رُخی برتی۔

۲۔ اس لئے کہ اس (رسولؐ) کے پاس ایک نابینا آیا۔

۱:۸۰۔ عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى: کے الفاظ سے ایک دوسرے رنگ میں نبی اکرم ﷺ کے اعلیٰ اخلاق پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ آپ نے ابن اُمّ مکتوم کی دخل اندازی پر ایسے رنگ میں اظہار ناراضی کیا جو ماتھے کی شکنوں تک آ کر رہ گیا۔ جس سے ایک نابینا شخص کو کوئی تکلیف نہیں ہو

سکتی تھی کہ ماتھے کی تیوری اور پہلو تہی کو وہ دیکھ نہیں سکتا تھا، کفار اسے دیکھ سکتے تھے۔ وہ اپنی جگہ مطمئن ہو گئے کہ وہ اس چیز کو دیکھ سکتے تھے۔ ان کی طرفداری بھی ہو گئی۔ تیسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ جو دشمن وہاں بیٹھے تھے انہوں نے ایک نابینا کے آنے سے تیوری چڑھائی۔ چوتھے معنی یہ کیے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کفار کی طرف سے ایک مخلص نابینا کے آنے سے منہ پھیر لیا اور تیوری چڑھائی کہ اب مخلص آگیا ہے۔ لیکن چونکہ شانِ نزول کے ایک خاص واقعہ کا پتا صحیح حدیثیں دے رہی ہیں اس لیے کفار کی طرف سے آنحضرت ﷺ کا منہ پھیر لینا اور کفار کا اندھے کی طرف سے منہ پھیر لینا یا آنحضرت ﷺ کا کفار کی طرف سے منہ پھیر لینا بالعکس معنی رکھتا ہے۔ اس لیے جمع بین الضدین صحیح نہیں ہوتا۔ صحیح بات وہی ہے جو حدیث صحیح سے ثابت ہے اور نظم کلام الٰہی اس کا مؤید ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ابن اُمّ مکتوم کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ احادیث صحیحہ کے خلاف معنی کرنے درست نہیں۔ پچھلی سورۃ میں نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا تھا کہ دین اسلام کو پھیلانے اور پہنچانے کی طرف توجہ دو، اس میں اس طرف توجہ دلائی ہے کہ معاشرے کے غریب اور پسماندہ طبقہ کو نظر انداز نہ ہونے دو۔

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّىٰ ﴿٣﴾

أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنفَعَهُ الذِّكْرَىٰ ﴿٤﴾ أَمَّا مَنِ اسْتَغْنَىٰ ﴿٥﴾

فَأَنتَ لَهُ تَصَدَّىٰ ﴿٦﴾ وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكَّىٰ ﴿٧﴾

وَأَمَّا مَن جَاءَكَ يَسْعَىٰ ﴿٨﴾ وَهُوَ يَخْشَىٰ ﴿٩﴾

فَأَنتَ عَنْهُ تَلَهَّىٰ ﴿١٠﴾

۳۔ اور کونسی بات (اے رسولؐ!) تمہیں آگاہ کر دے سکتی تھی کہ

شائد وہی شخص پاکیزگی اختیار کرلیتا۔

۴۔ یا نصیحت قبول کرتا اور (تمہاری) یہ نصیحت اسے فائدہ دیتی۔

۵۔ (لیکن) جو شخص بے پرواہی کرتا ہے۔

۶۔ اُس کی طرف تم توجہ دیتے ہو۔

۷۔ حالانکہ اگر وہ پاکیزگی اختیار نہ کرے تو تمُ پر کوئی الزام نہیں۔

۸۔ اور جو شخص تمہارے پاس دوڑتا ہوا آیا۔

۹۔ اور وہ اپنے دل میں (اللہ کی) خشیت رکھتا ہے۔

۱۰۔ تو تم اس سے تغافل کرتے ہو۔

۸۰:۳۔ اس سورۃ کی تیسری آیت میں خطاب غائب سے حاضر کی طرف منتقل ہوگیا ہے اسے اصطلاح میں صفت الابعاد کہتے ہیں۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ بات پر زور پیدا کیا جائے۔ یہ صفت تاکید کا کام دیتی ہے۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے فان المشافهة ادخل فی شدید العقاب کہ خطاب کا یہ رنگ شدت اور تاکید کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔

كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ (ایسا) ہر گز نہیں (چاہئے)۔ یہ (قرآن) تو (سب کو) پُر عظمت بنانے کا ذریعہ ہے۔

۸۰:۱۱۔ كَلَّا: کے لفظ میں یہ بتایا گیا ہے لا تفعل مثلا ذالک کہ ایسا کام دوبارہ نہ کرنا۔ آیت ۲۵ میں انّا کا لفظ کیف کے معنی دیتا ہے کہ کس طرح یا کیونکر۔ آیت ۳۴ میں یوم کا لفظ اذا کا بدل ہے بمعنی جب۔

فَمَنۡ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ پس جو چاہے اس کے ذریعہ بڑا بن جائے۔

۱۲:۸۰۔ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ: جو چاہے قرآن مجید کے ذریعہ بڑا بن جائے کیونکہ یہ اپنے اندر ایک قابل ذکر قوم بنا دینے کی قوت رکھتا ہے۔ جو قوم اس پر عمل کرے گی وہ دنیا میں ایک تاریخی قوم بن جائے گی اور یہ کسی خاص شخص یا قوم کی خصوصیت نہیں کسے باشد۔ یہاں عمل کی ضرورت ہے۔ اس دعویٰ کا ثبوت کیا ہے۔ وہ آگے چند عظیم الشان حقائق اور پیشگوئیوں کے رنگ میں بیان فرمادیا ہے۔

فِي صُحُفٍ مُكَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾

مَرۡفُوعَةٍ مُطَهَّرَةٍ ﴿۱۴﴾ بِأَيۡدِي سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾

۱۳۔ یہ (قرآن مجید) ایسے صحیفوں میں ہے جو عزت والے ہیں۔

۱۴۔ بلند مرتبہ (اور) پاک ہیں،

۱۵۔ ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں۔

۱۳:۸۰۔ فِىْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ: ان چار آیتوں میں قرآن شریف کے کاتبوں، قاریوں اور حافظوں اور صحابہؓ کی عظمت اور خود قرآن مجید کی عظمت اور اسلام کے لیے آئندہ زمانہ میں شان و شوکت کی پیشگوئی بڑی شدّ و مد سے بیان ہوئی ہے۔ اگرچہ ان تفسیری نوٹوں میں عموماً مسلمانوں کے فرقوں میں سے کسی ایک یا دوسرے سے تعرض نہیں کیا گیا تاہم کہیں کہیں بعض عام غلط فہمیوں کی تردید ضرور کی گئی ہے۔ ہمارے بعض مخطی لوگ جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مطاعن بیان کرنے میں بے باکی سے کام لیتے ہیں اور ان پر اپنی نادانی سے الزام لگاتے ہیں ان آیات پر غور کریں کہ خود اللہ تعالیٰ نے ان کی تطہیر و تکریم کی

شہادت دے دی ہے۔ اللہ اکبر! صحابہؓ کی شان بلند کو یہ آیات کس صفائی سے ظاہر کرتی ہیں۔ ابن عباسؓ نے سَفَرَۃٍ سے مراد کاتبِ قرآن ہی لیئے ہیں۔ وہب بن منبہؒ سے روایت ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ کا ذکر ہے (روح المعانی)۔

فِیْ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ کے یہ معنی بھی ہیں کہ پہلے الہامی صحیفوں میں قرآن کی تعلیم موجود ہے اور قرآن ان کا عطر اور خلاصہ ہے۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا: یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَھَّرَۃً فِیْھَا کُتُبٌ قَیِّمَۃ (البینۃ،۳۔۲:۹۸) اسی طرح فرمایا: وَ اِنَّہٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ (الشعراء، ۱۹۶: ۲۶)۔ پھر یہ کہ قرآن کے نزول کا ذکر اور اس کے متعلق پیشگوئیاں کتب سابقہ الٰہیہ میں موجود ہیں۔

کِرَامٍ بَرَرَۃٍ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ جو معزز ہیں، نیک ہیں۔

۸۰:۱۶۔ کِرَامٍ بَرَرَۃٍ: ان آیات میں قرآن مجید کے وحی کے کاتبوں کی عظمت کا ذکر بھی ہے اور انہیں کِرَامٍ بَرَرَۃٍ قرار دیا گیا ہے۔ عربی زبان میں مکرّم اسے کہتے ہیں جس کی عظمت بیان کی جائے۔ وہ قابل احترام ہو اور بڑا مقام رکھتا ہو، وہ نقائص اور خرابیوں سے مبرا ہو۔ پھر کریم اسے بھی کہتے ہیں جو اپنی جنس میں بہترین ہو اور نفع بخش ہو اور اس کام کے بدلے میں کسی معاوضے کی خواہش نہ کرے اور بڑے بڑے محاسن کا مالک ہو اور لوگوں کو اس طرح فائدہ پہنچائے کہ اس میں اس کی کسی طرح کی سبکی اور خفت نہ ہو اور جو نفع پہنچایا جائے وہ نہایت بامشرف اور اعلیٰ ہو۔

بَرَرَۃٍ وہ لوگ ہیں جو وسیع پیمانے پر نیکی کرنے والے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے نہایت مطیع ہوں اور اعتقادی اور عملی طور پر نیکوکار اور نہایت سچے ہوں۔ سب کاتبانِ وحی قرآن کے صفات ہیں اور بتایا ہے کہ وہ معمولی درجہ کے لوگ نہ تھے بلکہ اپنے فن کے ماہر تھے اور لکھنے

والوں میں سے بلند پایہ لوگ تھے۔ اُنہوں نے دنیا کو یہ عظیم الشان نفع پہنچانے والا کام کسی لالچ اور معاوضہ کے لیے نہیں انجام دیا تھا اور کبھی بھی ان کی سبکی اور خفت کا موجب نہیں ہو سکتا۔ ان کے دلوں میں کسی کے خلاف کینہ اور کپٹ نہ تھا۔ قرآن مجید کے بعض الفاظ کے رسم خط میں جو فرق نظر آتا ہے کہ کہیں قال کو الف کے ساتھ لکھا گیا ہے اور کہیں کھڑی زبر کے ساتھ قٰل، یہ ان کی کوئی غلطی نہ تھی بلکہ اس کے پیچھے بڑی مہارت اور الٰہی اطاعت کام کر رہی تھی۔ ان آیت میں یہ پیشگوئی بھی ہے کہ قرآن ہمیشہ عزت والے صحیفوں میں لکھا جائے گا اور اونچی جگہ رکھا جائے گا اور بزرگ لوگ اسے لکھتے رہیں گے۔ اب اس پیشگوئی پر صدیاں گزرتی ہیں۔ کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ اس عرصہ میں قرآن ہمیشہ ہی لکھا جاتا رہا اور ظاہری طہارت اور عزت کے خیال سے ہمیشہ بلند جگہ پر رکھا جاتا ہے۔ یہ ظاہری ادب جو قرآن کا کیا جاتا ہے اس پیشگوئی کے مطابق ہے۔ پھر یہ پیشگوئی ہے کہ قرآن کو صحف مکرم میں عزت اور طہارت سے رکھنے والے بڑے لوگ ہوں گے۔ چنانچہ وہ قوم جس نے قرآن کی اولاً بالذات حفاظت کی جن کے سردار ابو بکرؓ صدیق ہیں۔ انہوں نے جو عزت و تکریم حاصل کی دنیا کی تاریخ اسے ابدالآباد تک زندہ رکھے گی۔ پھر بعد کی صدیوں میں بھی بہت بڑے بڑے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے قرآن مجید کا لکھنا باعث فخر سمجھا۔ جن میں مغل شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر بھی شامل ہیں۔

یاد رکھو قرآن مجید کو جس طرح روحانی اور باطنی عظمت حاصل ہے ظاہری طور پر بھی اس کا ادب کرو، اسے پاک اور اونچی جگہ رکھو۔ اس کے اوپر کوئی چیز نہ رکھو۔ نہ اس میں حفاظت وغیرہ کے لیے کاغذات وغیرہ رکھو کیونکہ وہ مخدوم ہے خادم نہیں۔ ان آیات میں پہلے قرآن مجید کی تین صفات کا ذکر ہے پھر ان کے مقابل حامل قرآن یعنی صحابہ کرامؓ کی صفات بیان ہوئی ہیں۔

قُتِلَ الْإِنسَانُ مَا أَكْفَرَهُ ﴿۱۷﴾

مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ ﴿۱۸﴾

۱۷۔ (بُرا) انسان ہلاک ہو، وہ کیسا ناقدر دان ہے۔

۱۸۔ (وہ غور تو کرے کہ اللہ نے) اسے کس چیز سے پیدا کیا ہے۔

۸۰:۱۷۔ قُتِلَ الْاِنْسَانُ: قُتِلَ صرف بددعا اور کوسنا نہیں بلکہ ہر متکبر اور کفرانِ نعمت کرنے والے کے لیے پیشگوئی ہے۔ حدیث میں ہے کہ عظمت میری چادر ہے۔ جو مجھ سے میری چادر چھینے گا میں اسے ذلیل کروں گا۔ یہی قُتِلَ ہے۔ پیچھے کی آیات میں قرآن مجید کے چند فضائل کا ذکر کیا تھا، اس میں بتایا ہے کہ اس کا انکار کفران نعمت ہے۔

مِنْ نُطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ تھوڑی سی چیز سے (پیدا کیا ہے) اُسے پیدا کیا پھر اسے طاقت دی۔

۸۰:۱۹۔ نُطْفَةٍ: نُطفہ کے لفظی معنی ہیں آب صافی، کم ہو یا زیادہ۔ کنایۃ کے طور پر موتی کو بھی نُطفَۃٌ کہا جاتا ہے۔ اس طرح اس لفظ میں انسانی فطرت کی پاکیزگی اور اس کے گراں بہا ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ پھر اس کا راستہ آسان کر دیا۔

۸۰:۲۰۔ ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَہُ: مجاہدؒ کا قول ہے کہ اس سے سبیل کیر کا آسان کرنا مراد ہے (ابن جریر طبریؒ)۔

ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ﴿۲۱﴾

ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنْشَرَهُ ﴿۲۲﴾ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ ﴿۲۳﴾

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ﴿۲۴﴾

۲۱۔ پھر اسے موت دی، پھر اسے قبر میں رکھوایا۔

۲۲۔ پھر جب چاہے گا اسے (دوبارہ) اُٹھا کر کھڑا کرے گا۔

۲۳۔ ہر گز نہیں (کہ حشر و نشر نہیں ہو گا)۔

(اللہ نے) اسے جو حکم دیا تھا وہ اس نے ابھی تک پورا نہیں کیا۔

۲۴۔ اس لئے اس انسان کو چاہیے کہ اپنی غذا کی طرف دیکھے۔

۸۰:۲۱۔ فَاَقْبَرَهٗ: قبر سے مراد وہ حالت ہے جہاں مومن و کافر کو مرنے کے بعد رکھا جاتا ہے۔ وہ نہیں جہاں اس دنیا میں مردے دبائے یا جلائے جاتے ہیں؛ گویا یہ عالم برزخ کا دوسرا نام ہے، خواہ دریا میں ڈوبے یا شیر کھائے یا جل جائے اور راکھ ہو جائے۔

اسلامی اصطلاح میں قیامت کے لفظ کے معنی تو بہت ہیں مگر مشہور یہ ہیں:

اول: مَن مَّاتَ فَقَد قَامَت قِيَامَتُہٗ: یہ حدیث کا فقرہ ہے جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہو گئی۔

دوم: ما بعد الموت حشر: اجساد کے وقت جب سعید و شقی بالکل الگ الگ ہو جائیں گے اس کا نام قیامت ہے۔ مابعد الموت کوئی جیل خانہ نہیں اور وہ کوئی حوالات بھی نہیں۔ قبر میں داخل کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ جیسے یہاں فرمایا فَاَقْبَرَهٗ کہ قبر میں اللہ تعالیٰ ہی داخل کرتا ہے۔ اور وہ قبر جس میں اللہ تعالیٰ داخل فرماتا ہے وہ ایک باغ ہے، بہشتوں کے باغوں میں

سے۔ جیسے فرمایا ہمارے نبی کریم ﷺ نے إِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَۃٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّۃِ۔ یا وہ گڑھا ہے دوزخ کے گڑھوں میں سے جیسے فرمایا: أَوْ حُفْرَۃٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ۔

اور قرآن کریم میں بارہا ذکر ہوا ہے کہ مومن اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والا بعد الموت معاً جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور شریر نار میں جیسے فرمایا: (قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّۃَ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِىْ يَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِىْ رَبِّىْ وَ جَعَلَنِىْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ (یسٓ، ٢٧۔ ٢٦: ٣٦)۔ اور منکروں اور شریروں کے لیے فرمایا گیا ہے۔ مثلاً فرعون اور فرعون کے ہمراہیوں کے لیے أُغْرِقُوْا فَأُدْخِلُوْا نَارًا (نوح، ٢٥: ٧١)۔ ہاں حشر اجساد کے وقت عظیم الشان تفرقہ سعید و شقی میں کر دیا جائے گا مگر وہ حالت سرِ دست جنت و نار کے دخول کی مانع نہیں۔

اس سورۃ کے شروع میں ہدایت پانے کی راہ بتائی تھی اور اس کی دو بنیادوں سعی فی الدین اور خشیۃ اللہ کی طرف توجہ دلائی تھی، اب بتایا ہے کہ انسان کس طرح ہدایت سے محروم رہ جاتا ہے اور کس طرح ہلاکت کی ان راہوں سے بچنا چاہئے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ انسان اپنے آغاز و انجام اور قیام زندگی اور اس کے اسباب و ذرائع کی طرف توجہ کرے۔ یہ خبریں بتاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی کس اعلیٰ اور برتر مقصد کے لیے تخلیق کی ہے۔ وہ مقصد بلند و بالا نہ ہوتا تو انسان کی تخلیق پر اس قدر اہتمام اور آب صافی اور ایک صاف و پاکیزہ جوہر حیات سے اس کی پیدائش کا آغاز نہ کیا جاتا اور برزخ اور عالم آخرت کا اس درجہ اہتمام نہ کیا جاتا۔ یہ اتنا بڑا کارخانہ تخلیق انسانی کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

أَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿٢٥﴾

ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ﴿٢٦﴾ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ﴿٢٧﴾

٢٥۔ (کس طرح پہلے تو) ہم نے خوب پانی برسایا،

۲۶۔ پھر زمین کو اچھی طرح پھاڑا،

۲۷۔ پھر اس میں غلہ اگایا۔

۸۰:۲۵۔أَنَّا: أَنَّا کا لفظ کیف کے معنی دیتا ہے کہ 'کس طرح' یا 'کیونکر'۔

وَعِنَبًا وَقَضْبًا ﴿۲۸﴾ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ﴿۲۹﴾

۲۸۔اور انگور اور ترکاری، ۲۹۔اور زیتون اور کھجور،

۸۰:۲۸۔قَضْبًا: ترکاری کو کہتے ہیں (مفردات)۔

وَحَدَائِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾

وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ﴿۳۱﴾ مَتَاعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾

۳۰۔اور گھنے باغ،

۳۱۔اور طرح طرح کے پھل اور چارہ (پیدا کیا)۔

۳۲۔خود تمہارے اور تمہارے مویشیوں کیلئے سامان زیست کے طور پر،

۸۰:۳۰۔ غُلْبًا: غلب کے معنی گھنا کے ہیں (لسان العرب)۔ اور ابّ چارہ کو لیتے ہیں (مفردات)۔

فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ پھر (اس پر بھی غور کرو) جب کانوں کو پھاڑ دینے والی مصیبت آئے گی۔

۸۰:۳۳۔ الصَّآخَّۃُ: کانوں کو بہرا کر دینے والی سخت اور اونچی آواز۔ ہر بڑی مصیبت کو بھی کہا جاتا ہے (لسان العرب)۔ اس میں بتایا ہے کہ جس طرح کفار ندائے حق کے مقابل میں بہرے بن جاتے تھے اسی طرح مکافات عمل کے مطابق ان کی سزا کا یہ پہلو اختیار کیا جائے گا۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿٣٤﴾
وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿٣٥﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿٣٦﴾
لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴿٣٧﴾

۳۴۔ تو اس دن انسان اپنے بھائی سے بھاگے گا،

۳۵۔ اپنی ماں اور اپنے باپ سے۔

۳۶۔ اور اپنی بیوی اور بیٹوں سے۔

۳۷۔ اس دن ان میں سے ہر شخص کی ایسی حالت ہو گی
جو اسے اپنی ہی طرف الجھائے رکھے گی۔
(اور اپنے سوا اسے کسی کا ہوش نہ ہو گا)

۸۰:۳۴۔ یوم : یوم کا لفظ اذا کا بدل ہے بمعنی 'جب'۔

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿٣٨﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿٣٩﴾

۳۸۔ کچھ چہرے اس دن دمک رہے ہوں گے۔

۳۹۔ ہنستے ہوئے ہشاش بشاش۔

۸۰:۳۸۔ مُسْفِرَةٌ: پردہ کا دُور کرنا ہے اور اسفار رنگ سے مخصوص ہے، یعنی اُس کا رنگ روشن ہو جائے (مفردات)۔

وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿٤٠﴾

تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿٤١﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿٤٢﴾

۴۰۔اور کچھ چہرے اس دن ایسے ہوں گے کہ ان پر غبار ہو گا(اور ان پر خاک اُڑ رہی ہو گی)۔

۴۱۔دکھ اور اندوہ ان پر چھایا ہوا ہو گا۔

۴۲۔یہی لوگ کافر و فاجر ہوں گے۔

۸۰:۴۰۔غَبَرَةٌ: اس سے مراد اُن کا غم کی وجہ سے غبار آلودہ اور متغیر ہونا ہے۔اور کنایہ ہے غم کے باعث چہرہ پر تغیر آجانا(مفردات)۔
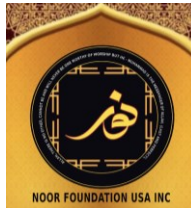
NOOR Foundation USA Inc.
Email: noorfoundationusa@gmail.com
Website: www.islamusa.org